Chapter 15 سورة الحِجر Hijr, a valley

آیات 99

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے جو سنورنے والوں کی مرحلہ وار اور قدم بہ قدم مدد و رہنمائی کرتے ہوئے انہیں ان کے کمال تک لے جانے والا ہے (وہ یہ آگاہی دے رہا ہے کہ)!

الٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱﴾

1- الر یعنی اللہ علیم رحیم یعنی اللہ وہ جو لامحدود علم والا ہے اور سنورنے والوں کی قدم بہ قدم مدد و رہنمائی کرتے ہوئے انہیں ان کے کمال تک لے جانے والا ہے (یہ اس کا فرمان ہے کہ) یہ سچائیاں اور احکام وقوانین اس ضابطۂ حیات کے ہیں یعنی قرآن کے ہیں جو واضح حقائق رکھنے والا ہے۔

(نوٹ: وَ۔قرآن میں حرف وسیاق وسباق کے مطابق متعدد مطالب میں اِستعمال ہوا ہے۔زیادہ اہم مطالب کے ساتھ جن طریقوں سے اِستعمال ہوا ہے وہ ہیں: اور۔ بلکہ۔ساتھ۔چونکہ۔لہٰذا۔تاکہ۔یا۔یعنی۔قسم کے لئے۔حالانکہ۔کبھی یہ بغیر مطلب کے زائد بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ وَ، اصل میں دو باتوں کو یا ایک سے زیادہ حقائق کو یا دو فقروں کو یا دو حرفوں کو آپس میں منسلک کرنے یا ملانے یا بات کو واضح کرنے یا کسی حقیقت پر زور دینے کے لئے اِستعمال ہوتا ہے۔اِس آیت 15:1 میں وَ یعنی کے معنوں میں اِستعمال ہوا ہے۔اِسے واوِ تفسیری کہتے ہیں اور اِس کا اِستعمال خاص اہمیت رکھتا ہے)۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۲﴾

2- اکثر ایسا ہوتا ہے (کہ غور وفکر نہ کرنے والے سب کچھ گنوا کر پچھتاتے رہتے ہیں۔اسی طرح) جو کافر ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے نازل کردہ سچائیوں اور احکام وقوانین کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے سرکشی اختیار کر رکھی ہے وہ آرزو کریں گے! کہ کتنا اچھا ہوتا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہوتے۔

ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾

3- مگر تم (اِس وقت انہیں ان کے حال پر) چھوڑ دو (کہ وہ حیوانی سطح پر) کھائیں (پیئیں اور دنیا کی زندگی سے) فائدہ اٹھالیں اور ان کی لمبی چوڑی آرزوئیں انہیں غفلت میں مبتلا کر کے (اللہ کے احکام سے دُور رکھیں گی لیکن وہ وقت دُور نہیں جب انہیں اپنے غلط راستے کے انجام کا) علم ہو جائے گا۔

وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾

4-اور (ان سے پہلے بھی) ہم نے کسی بستی کو اس کی مہلت کا وقفہ پورا ہونے سے پہلے تباہ نہیں کیا کیونکہ یہ متعین طور پر لکھا گیا ہوتا ہے (اور یہ قانون کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ جاننے والوں کو اس کا علم نہ ہو سکے)۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵

(اور اللہ کا یہ قانونِ مہلت اس قدر اٹل ہے کہ) کوئی امت نہ اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے (تباہ ہو سکتی ہے) اور نہ ہی اس کے بعد (زندہ رہ سکتی ہے)۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶

6-اور (نازل کردہ حقائق سے انکار کرنے والے) کہتے ہیں! کہ اے وہ جس شخص پر یہ ذکر یعنی یہ قرآن نازل کیا گیا ہے یقیناً اسے جنون ہے۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷

7-(اور وہ کہتے ہیں! کہ اے محمدؐ!) اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو (تو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ) فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ؟

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸

8-(لیکن اے رسولؐ! انہیں آگاہ کر دو کہ) ہم فرشتوں کو (یوں ہی) نازل نہیں کیا کرتے۔ وہ (اس وقت نازل ہوتے ہیں جب اعمال کے نتائج کا) سچ بن کر (سامنے آنے کا وقت آجائے) اور اُس کے بعد پھر کسی کو مہلت نہیں ملا کرتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹

9-لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر یعنی یہ قرآن ہم نے ہی نازل کیا ہے اور اس میں کوئی شک وشبے والی بات ہی نہیں کہ اس کی حفاظت بھی ہم ہی کریں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰

10-اور (اے رسولؐ) یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم تم سے قبل مختلف پہلے گروہوں کی طرف بھی رسول بھیجتے رہے ہیں۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱

11-اور (یہ بھی ہے کہ) جو رسول بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا تمسخر اڑایا کرتے تھے۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲

12-(لہٰذا، جو لوگ مسلسل تمسخر اڑانے والے رویّے اختیار کیے رکھتے ہیں تو ایسے) مجرموں کے دلوں میں ہم اسی طرح

(کے ایسے طریقے) ڈال دیتے ہیں (کہ جن سے آخرکار وہ خود مذاق بن کے رہ جاتے ہیں)۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

13-(اور اے رسولؐ! یہی حالت تمہاری قوم کے ان لوگوں کی ہے) جو اس (قرآن کی صداقتوں کو) تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ ان سے پہلے والوں کی بھی یہی سنت تھی جو چلی آ رہی ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

14-اور (یہ جو معجزوں کا تقاضا کرنے والے ہیں تو) اگر ہم ان کے سامنے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ اس میں بتدریج بلندیوں کی طرف چڑھنے لگ جائیں (تو تسلیم نہ کرنے والے تب بھی تسلیم نہیں کریں گے)۔

(**نوٹ:** یہ آیت 15/14 انسان کے بارے میں آگاہی دیتی ہے کہ وہ آسمان کی بلندیوں میں آگے ہی آگے بڑھتا جائے گا مگر اُس وقت بھی نازل کردہ حقائق کو نہ ماننے والے نہیں مانیں گے)۔

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع 15/1/1

15-(اس وقت بھی) یقیناً یہ لوگ کہنے لگ جائیں گے! کہ ہماری نظریں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگ تو جادو کے زیرِ اثر آ گئے ہیں۔

(**نوٹ:** یہ دونوں آیات یعنی 15/14، 15/15 نوع انساں کو آگاہی فراہم کرتی ہیں کہ وہ بتدریج آسمان کی بلندیوں پر چڑھتا چلا جائے گا)۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

16-اور یہ بھی حقیقت ہے! کہ ہم نے آسمان میں برج بنا دیے اور ہم نے اسے یعنی آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کر دیا۔

(**نوٹ:** برج کے حوالے سے یہ آیت آسمان کے بعض حقائق کے بارے میں تحقیق طلب آگاہی فراہم کرتی ہے۔ برج قلعے کی دیواروں پر وہ جگہیں ہوتی ہیں جہاں ٹھہر کر وہاں کے پاسبان آنے جانے والوں پر نظر رکھتے ہیں، یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی قوانین وضوابط کے بغیر تو قلعے میں داخل نہیں ہو رہا یا کوئی حملہ آور تو قلعے کی طرف نہیں بڑھ رہا، وغیرہ وغیرہ۔ اس لحاظ سے آسمان میں جو برج بنا دیے گئے ہیں جہاں سے اگر کوئی گزرنا چاہے تو اسے آسمان کے قوانین وضوابط کے مطابق گزرنا پڑے گا ورنہ اسے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا)۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾

17-اور ہم نے (اس آراستہ آسمان کو) ہر شیطانِ رجیم سے یعنی ہر سرکش قوت کے شر انگیز عمل سے محفوظ کر رکھا ہے۔

اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيۡنٌ۝۱۸

18-البتہ سوائے اس کے (کہ جو حفاظت کا عمل آراستہ آسمان پر ہم نے طاری کر رکھا ہے اس میں) اگر کوئی چوری سے سن لے تو سفید شعلہ جس میں سیاہی کی سی امیزش ہوتی ہے اس کا پیچھا کرتا ہے۔

(**نوٹ**: کائنات کے حقائق اور قوانین کے بارے میں یہ آیت مزید آگاہی فراہم کرتی ہے جو کافی تحقیق طلب ہے۔اس آیت میں ''استرق السمع'' کے الفاظ ہیں جن کا مطلب آسمان کے حوالے سے ''چوری سے سننا'' لیا جاتا ہے بہت اہم ہیں۔تقریباً انہی حقائق کے بارے میں آگاہی 37/6-10 اور 72/8-9 میں بھی دی گئی ہے۔بہرحال، انسان کے حوالے سے ''چوری سننے'' سے مراد ہے کسی کا دوسرے کی آواز میں ناموافق طریقے سے چھپ کر خاموشی سے مداخلت کرنا۔اور آسمان میں جس پر حفاظت کا عمل طاری ہے اس کے حوالے سے یا کائنات کے حوالے سے ''چوری سننے'' سے مراد ہے ''آسمان کے کسی عنصر یعنی کائنات کے کسی عناصر یا عنصر کی قوتوں نے جو آواز پیدا کر رکھی ہے اس میں کسی اور کا غیر موافق طور پر مداخلت کرنا''۔بہرحال، عناصر کی آواز کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قرآن کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی مدد لینی پڑے گی: قرآن کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 44 کے مطابق یوں ہے کہ ''ساتوں یعنی سارے کے سارے آسمان و زمین یعنی ساری کائنات اور اس میں ہر شے اللہ کی تحسین و ستائش کرتے ہوئے تیز ترین طور پر سرگرمِ عمل ہے (حمد۔سبح)۔اس آیت سے یہ حقیقتیں محسوس ہوتی ہیں کہ ہر عنصر آواز دے رہا ہے۔کائنات میں آواز ہے جو اس پر طاری ہے اور ساری کائنات بذات خود آواز دے رہی ہے یعنی حمد کر رہی ہے۔اگلی حقیت یہ ہے کہ کائنات کا ہر عنصر تیز ترین حرکت میں ہے۔اور یوں ساری کائنات پر حرکت طاری ہے (سبح)۔اور اس طرح آواز حرکت پر اور حرکت آواز پر اثر انداز ہوتی ہے۔کائنات کی حرکت کی مزید وضاحت قرآن کی 32/5 یعنی سورۃ السجدۃ آیت 5 کے مطابق یوں ہے کہ ''آسمان سے زمین تک یعنی پوری کائنات میں اللہ کا قانون ایک پوری تدبیر یعنی نظام کے مطابق قائم ہے اور پھر یہی نظام اپنے قوانین کے ساتھ ایک وقت میں بتدریج بلند ہوتے ہوئے آگے کو جا رہا ہے (اور ایک وقت سے مراد انسانی) شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے'' یعنی یہ طے شدہ طریقے کے مطابق حرکت کا سفر ہے۔اور 10/61 یعنی قرآن کی سورۃ یونس آیت 61 کے مطابق یوں ہے کہ ''چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی چیز ایک واضع ترین ضابطے میں ہے''۔بہرحال، مذکورہ آیات کی آگاہی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آسمان کے کسی عنصر کی آواز کو چوری سننے کے حوالے سے مندرج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

کائنات کا ہر چھوٹے سے چھوٹا عنصر اور بڑے سے بڑا عنصر حرکت میں ہے اور ہر حرکت آواز پیدا کر رہی ہے۔اس لئے ہر حرکت اور آواز انتہائی ضابطے کے قوانین میں بند ہے جس کی وجہ سے عناصر کی آوازیں اور کائنات کی آواز متوازن طور پر قائم ہیں اور سننے والے آوازوں کے توازن میں زندہ ہیں ورنہ تباہ ہو جائیں۔لہٰذا، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی کسی عنصر کے آواز کے توازن میں ناموافق طور پر مداخلت کرے گا تو ایک حرارت اس کا پیچھا کرے گی اور جس قدر بڑی آواز کے توازن میں بڑی ناموافق مداخلت ہوگی تو اتنا بڑا توانائی کا شعلہ اس سے نکلے گا یعنی اس کا پیچھا کرے گا۔مثال کے طور پر آسمان کی فضاؤں میں جیسے شہابِ

ثاقب ہے یعنی یہ عنصر جب اپنے توازن کے دائرے سے نکل کر کسی اور توازن کے دائرے میں ناموافق طور پر لپکتا ہے تو رات کے اندھیرے میں عام نگاہ سے بھی اس کے پیچھے شعلے کی لکیر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آواز و حرکت کے توازن اور ان میں ناموافق مداخلت کے ایسے ہی قوانین کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے عنصر سے لے کر بڑے سے بڑے عنصر پر طاری ہیں۔ بہر حال، اس آیت کا مندرجہ بالا تجزیہ صرف انسانی عقل کی وحی سے آگاہی حاصل کرنے کی ایک کاوش ہے۔اس لئے یہ مزید سے مزید تحقیق طلب ہے)۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

19-اور (اس پر بھی غور کرو کہ) زمین کو ہم نے پھیلا رکھا ہے (تاکہ نوع انساں اس پر آسانی وسہولت سے بسیرا کر سکے) اور ہم نے اس میں مضبوطی سے پہاڑوں کو گاڑ رکھا ہے اور ہم نے اس میں ہر نباتات کا انتہائی توازن پر مبنی نظام قائم کر رکھا ہے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

20-اور ہم نے تمہارے لئے اس میں معیشت کے اسباب بنا دیے اور ان کے لئے بھی (معیشت کے اسباب بنادیے) جنہیں تم زندگی کی نشوونما کا سامان فراہم نہیں کرتے ہو۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

21-اور (یاد رکھو کہ) کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں مگر ہم انہیں طے شدہ پیمانوں کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

22-اور (مختلف قوتوں سے) بھری ہوئی ہوائیں ہم ہی بھیجتے ہیں۔اور پھر آسمان سے ہم ہی پانی نازل کرتے ہیں اور پھر ہم نے ہی اسے تمہارے پینے (کے قابل بنایا)۔(لہٰذا، ان تمام حقیقتوں پر غور کرو کیونکہ یہ سب خزانے تو ہمارے پاس ہیں)۔اور تم ان کے خزانے دار نہیں ہو۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

23-اوراس میں کوئی شک وشبے والی بات ہی نہیں کہ ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی موت طاری کرتے ہیں۔(اس لئے تمہیں خبردار رہنا چاہیے کہ ہر شے کے) مالک ہم ہیں (اور یاد رکھو! کہ تم قطعی طور پر مالک نہیں ہو کہ چیزوں کو لالچ و ہوس سے سمیٹنے لگ جاؤ 56/63-74)۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

24-اور اس میں بھی کوئی شک و شبے والی بات نہیں کہ ہمیں ان کا بھی علم ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم بعد میں آنے والوں کو بھی جانتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحۡشُرُهُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع 2 10 2

25-اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تمہارا رب یعنی تمہارا نشو و نما دینے والا ان سب کو (قیامت کے دن) جمع کرلے گا۔ اور وہ حقائق کی باریکیوں کے مطابق درست و نادرست کی اٹل حدوں کی بنیاد پر فیصلے کرنے والا ہے کیونکہ وہ لامحدود علم والا ہے۔ اور (یہ سارے حقائق تو ایک طرف تم صرف اپنی تخلیق پر ہی غور کرو کیونکہ)

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ‌ۚ ﴿۲۶﴾

26-اگر تم تحقیق کرو تو اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ ہم نے انسان کو پانی اور مٹی کے یک جان ہوئے سوکھے مادے سے ایک طریقہ و دستور سے توازن و تناسب کے پیمانے کے مطابق وجود پذیر کیا۔

(**نوٹ**: پانی ملا مٹی کا مادہ جس سے انسان کو تخلیق کیا گیا اس کے لئے قرآن میں صلصال 15/26، 15/28 طین 32/7 اور طین لازب 37/11 جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مٹی کا مادہ جن جن مراحل سے گزرتا ہے یہ نام اسی لحاظ سے ہیں مگر عمومی طور پر ان کا مطلب مٹی یا پانی ملی مٹی کا سوکھا مادہ وغیرہ وغیرہ لیا جاتا ہے۔ یہ تحقیق طلب ہے کہ مٹی کے اس مادہ پر جو مراحل گزرتے ہیں ان میں کون کون سی قوتیں کیسے کیسے اثر انداز ہوتی ہیں اور اس کے کن کن عناصر میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ اس آیت میں لفظ ''حما'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے ''وہ کیچڑ جو پانی اور مٹی سے مل کر بنتا ہے'' جب یہ خشک ہو جاتا ہے تو اسے صلصال کہا جاتا ہے یعنی خشک ہو جانے والی کچی مٹی۔ اگر اسے پکا لیا جائے تو وہ فخار کہلاتی ہے۔ البتہ بعض مفسرین اس کا مطلب بدبودار کیچڑ کرتے ہیں اور بعض اس کا مطلب سیاہ گارا کرتے ہیں۔ اس آیت میں لفظ ''مسنون'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ (س۔ن۔ن) ہے۔ اسی سے لفظ ''سن'' نکلا ہے جس کا مطلب ہے سال یا عمر وغیرہ۔ اسی سے لفظ سنت نکلا ہے جس کی جمع سنن ہے اور اس کے بنیادی مطالب ہیں: طریقہ۔ قانون۔ دستور۔ راستہ وغیرہ۔ البتہ بعض مفسرین مسنون کا مطلب ''سڑا ہوا'' یا سڑا ہوا مرکب لیتے ہیں۔ آیت میں خلق کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کا بنیادی مطلب ہے ''توازن و تناسب کے پیمانے کے مطابق وجود پذیر کرنا'' آیت میں بعض الفاظ کا جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے اس کے پیشِ نظر آیت کا ترجمہ ایک بار پھر پڑھیں تو اس پر مزید غور و فکر ہو سکتا ہے۔ بہر حال، یوں محسوس ہوتا ہے کہ مٹی ساری کائنات کا ایک مشترکہ مادہ ہے اور اس میں مجموعی طور پر ساری کائنات کے سارے عناصر کی ساری صفات کا نچوڑ ہے تب جا کر مٹی وجود پذیر ہوئی لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بیج، پھول دینے والا پودا یا پھل دینے والا درخت بنتا ہے۔ یہ مٹی ایک سخت ترین بیج سے نرم ترین کونپل نکال دیتی ہے۔ اور اسی مٹی میں ساری دھاتیں، سارے زہر اور سارے تریاق، سارے تیزاب، سارے رنگ اور نا معلوم در نا معلوم حقیقتیں ہیں۔

اسی وجہ سے انسانی نشوونما اسی پانی ومٹی سے لئے گئے رزق سے ہوتی ہے اور انسانی بیماریوں کے علاج بھی اسی پانی ومٹی سے نشوونما پانے والے عناصر یا اس سے حاصل شدہ اجزا وعناصر سے ہوتا ہے کیونکہ انسان اور پانی ومٹی کے عناصر مجموعی طور پر ایک ہی ہیں اور انسان انہی کے جوہر سے اخذ شدہ ہے۔ بہرحال، یہ تجزیہ انسانی عقل کا سفر ہے جبکہ اس سلسلے میں وحی کی آگاہی کہیں بلند ہے جو مزید تحقیق کا تقاضا کرتی ہے)۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

27-اور انسان کی تخلیق سے پہلے ہم نے جنوں کو ایسی آگ کی تیز حرارت سے درست تناسب وتوازن کے پیمانے کے مطابق وجود پذیر کیا تھا جس میں دھواں نہیں تھا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

28-اور پھر (ایسا وقت آیا) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا! کہ یقیناً میں پانی اور مٹی کے یک جان ہوئے سوکھے مادے سے ایک طریقہ ودستور سے درست توازن وتناسب کے پیمانے کے مطابق بشر کو وجود پذیر کرنے والا ہوں۔

(نـــوٹ: آیت 15/26 میں یہی بات کرتے ہوئے ''انسان'' استعمال ہوا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ''بشر'' کا لغوی مطلب ہے ''طبعی ساخت'' اور جسمانی بناوٹ۔اور اس آیت میں صرف اتنی آگاہی کی ہی ضرورت تھی جبکہ اگلی آیت 15/29 میں بشر میں روح پھونکے جانے کے بعد وہ دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں محترم وعزت یافتہ ہوا۔اور تب 15/26 کے مطابق وہ انسان کہلایا۔اور 15/42 میں اللہ نے انسان کی بجائے ''عبادی'' یعنی میرے بندے یعنی میرے غلام یعنی میری پرستش واطاعت کرنے والے استعمال کیا ہے، تو اس کا مطلب ہے انسانوں میں وہ انسان جو صرف اور صرف اللہ کی پرستش واطاعت کرنے والے ہیں۔ بہرحال، بشر کا مادہ (ب۔ش۔ر) ہے۔اور اسی سے لفظ بشیر نکلا ہے جس کا مطلب عام طور پر خوشخبری دینے والا لیا جاتا ہے۔اس کا قرآن کے حوالے سے یہ مطلب بھی ہے! کہ یہ آگاہی دینے والا کہ اللہ کے راستے پر چل کر کس قدر حسین نتائج نکلتے ہیں)۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾

29- پھر (اللہ کا ارشاد ہوا کہ) جب میں اس کا یعنی بشر کا حسن وتوازن انتہائی موزوں کر کے اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو پھر اس کے مقابلے میں تم اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی مکمل فرماں برداری اختیار کر لینا۔

(نـــوٹ: انسان کے حوالے سے قرآن کی اس آیت میں دی گئی آگاہی مرکزی اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کن کن حقائق کا مرکب ہے اور ان کا آپس میں تعلق ورشتہ کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے! کہ قرآن کے حوالے سے انسان بظاہر جن حقائق کا مرکب ہے اُن میں چند یوں ہیں: بدن یعنی جسمانی وطبعی ساخت 3/6، 15/26، 15/28 اور

نفخت 15/29 اور روح 15/29 اور نفس 39/6 اور زندگی وموت 67/2:

روح کیا ہے: لفظ روح کا مادہ (ر۔و۔ح) ہے۔اسی سے ریح، ریحان، ترویحۃ۔راحۃ وغیرہ جیسے الفاظ نکلے ہیں۔اور اس کے بنیادی مطالب ہوا کا محسوس کرنا، راحت، سرور وغیرہ ہیں۔لیکن قرآن نے روح کی اصطلاح کو انتہائی جامع مطالب میں استعمال کیا ہے اگرچہ کہ اس میں راحت وسرور کی پاکیزگی بھی شامل ہے۔آیت 17/85 کے مطابق یوں ہے کہ ''اے رسول یہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو! کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے مگر تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔بہرحال، اگرچہ انسان کو روح کے بارے میں تھوڑا علم دیا گیا ہے لیکن جتنا بھی علم دیا گیا ہے تو اس کے مطابق بھی روح سے منسلک بہت سے عقائد ونظریات قائم ہو سکتے ہیں۔چنانچہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہ 78/38 میں آگاہی دی گئی ہے کہ ''جس دن الروح اور ملائیکہ صف باندھے کھڑے ہوں گے اور کوئی بات نہ کرسکیں گے سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے'' اور 16/2 میں ہے کہ ''وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر مناسب سمجھتا ہے نازل کرتا ہے'' اور 42/52 میں ہے کہ ''لہٰذا، اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی''۔اور 70/4 میں ہے کہ ''اس کی طرف ملائیکہ اور روح اوپر کو چڑھتے چلے جاتے ہیں ایک دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہے'' اور 97/4 میں ہے کہ ''اس میں ملائیکہ اور روح اپنے رب کی اجازت سے ہر معاملے کے لئے نازل ہوتے ہیں''۔مذکورہ آیات اور ایسی ہی دیگر آیات سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح ملائیکہ ایک مخلوق ہے اسی طرح روح بھی ایک مخلوق ہے۔مگر یہ مخلوق ملائیکہ سے برتر ہے کیونکہ جب انسان میں روح طاری ہوئی تو ملائیکہ نے اس کی فرماں برداری اختیار کی۔یوں محسوس ہوتا ہے کو روح کے بھی درجات ہیں، جیسے 2/87 میں روح القدس استعمال ہوا یعنی ایسی روح جو ہر نقص سے پاک ہو اور 26/193 میں روح الامین کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے یعنی ایسی روح جو امانت محفوظ رکھنے والی ہو۔''سـویۃ'' کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے ا''نتہائی موزوں''، یعنی بشر کو روح کے طاری ہونے کے لئے انتہائی موزوں کر دیا گیا۔چنانچہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ روح کا کام انسان میں اللہ کی صفات کا عکس پیدا کرنا ہے اسی وجہ سے ملائیکہ نے انسان کی فرمابرداری اختیار کی۔اور 9-91/7 کے مطابق ''جس نفس کی عین اللہ کے احکام وقوانین کے مطابق نشوونما کی جاتی ہے'' تو وہ یقینی کامیابی حاصل کرتا ہے'' لہٰذا، وہی انسان ایسا ہوتا ہے جس میں پھر اللہ کی صفات کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔لیکن جس کا نفس 91/10 کے مطابق یوں پرورش پاتا ہے کہ وہ شر کے لئے موزوں ہو تو اس میں شر طاری ہونے لگتا ہے۔کیونکہ 21/35 کے مطابق اللہ نے انسان کو شر اور خیر کی آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے۔روح کیونکہ بذات خود مخلوق ہے اس لئے وہ اللہ کے احکام کی امانت دار ہوتی ہے اور جیسے حکم ملتا ہے ویسی صورت میں سرگرمِ عمل ہو جاتی ہے جیسے 19/17 کے مطابق روح بشری صورت میں یعنی انسانی جسم وصورت لیے مریم کے سامنے مردانہ صورت میں سامنے آیا۔البتہ 2/98 کے مطابق جس کا ترجمہ یوں ہے کہ ''جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہوا تو یقیناً اللہ کافروں کا دشمن ہے'' تو اس میں بھی جبرائیل اور میکائیل کو فرشتوں میں شامل کرنے کی بجائے علیحدہ نام کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی روح ہیں جو اپنے اپنے طور پر

اللہ کے احکام کے مطابق سرگرمِ عمل ہیں۔ چنانچہ 2/97 کے مطابق جبرائیل نے قرآن کو محمدؐ کے قلب پر یعنی ان کی نورانی صلاحیتوں پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔ بہرحال، انسان کے حوالے سے انسانی شخصیت روح کا گھر ہے۔ اگر کوئی شخص اس گھر کو یعنی اپنی شخصیت کو روح کے لئے موزوں اور درست رکھے تو روح اس گھر میں اترتی رہے گی اور اس میں اللہ کی صفات کا عکس ظاہر کرتی رہے گی ورنہ اسی گھر میں شیطان بسیرا کرے گا اور بُرائی کی شکلیں ظاہر ہوتی رہیں گی۔ اور جس پر روح اترتی ہے تو اسی کی فرماں برداری فرشتے کرتے ہیں اور جس پر روح نہیں اترتی تو اس کی فرشتے فرماں برداری نہیں کرتے۔ اس لئے بلاتفریق سارے انسانوں کی فرشتے فرماں برداری نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے روح بد نہیں ہوتی بلکہ نفس بد ہوسکتا ہے یا غیر نشوونما یافتہ ہو سکتا ہے، 12/53۔ اسی وجہ سے ہر انسانی شخصیت روح کے اترنے کے لئے موزوں ترین ہے اور انسان کی پیدائش کے ساتھ ہر انسان کو ایک جیسا نفس ملتا ہے، 39/6۔ اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ عام انسان جس میں نیکی کا احساس ہے اور وہ نیکی کی طرف مائل ہے تو اس پر روح اترتے ہیں۔ لہٰذا، آدم میں اللہ نے جو اپنی روح سے پھونکا ہے تو اس سے یہ مراد محسوس ہوتی ہے کہ اللہ نے آدم کی مخلوق کو روح کے طاری ہونے یا اس پر روح کے اترنے کیلئے موزوں ترین کر دیا ہے۔

نفخت کیا ہے: اس لفظ کا مادہ (ن۔ف۔خ) ہے۔ اس کا بنیادی مطلب ہے پھونک یا پھونک مارنا۔ اللہ کا پھونک مارنا ایسا نہیں ہے جیسے انسان پھونک مارتا ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کا انسان کو سب حواسِ خمسہ، 32/9 اور سب صلاحیتیں جیسے قلب، فواد یعنی دل یعنی جذبات، صدور یعنی سینے یعنی احساسات، عقل، شعور وادارک، ارادہ وغیرہ عطا کیے گئے تاکہ انسان کو 39/6 کے مطابق جو نفس ملا ہے وہ اس کی 9-91/7 کے مطابق نشوونما کرے تاکہ اس پر روح اترے اور وہ اس میں اللہ کی صفات کے عکس کو ظاہر کرے اور 15/29 کے مطابق فرشتے انسان کے فرماں بردار ہو جائیں اور انسان اللہ کے احکام وقوانین کے مطابق سرگرم رہ کر دنیا کو جنت بنائے اور مرنے کے بعد بھی جنت کا حقدار ہو۔

نفس کیا ہے: ویسے تو نفس سانس کو کہتے ہیں اور اس کی جمع انفاس ہے نفس کا مادہ (ن۔ف۔س) ہے۔ اس لفظ کے متعدد مطالب لیے جاتے ہیں مگر عام طور پر اسے انسانی شخصیت یا انسانی ذات یا انسانی جان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن انسان کو اس کے بارے میں حقیقی طور پر کوئی آگاہی میسر نہیں کہ اس کی شکل وصورت یا ساخت کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ انسان کا باطن ہے یعنی ہر انسان کا اس کے اندر کا انسان ہے جو وقت اور مادے کی قید سے آزاد ہے۔ آیت 39/42 میں ہے کہ انسانوں پر جب موت طاری کی جاتی ہے تو اللہ نفسوں کو اپنے پاس لے لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک جیسا نفس عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت 17/14 کے مطابق یوں ہے کہ ''تُو آج اپنی کتاب پڑھ، آج تیرا نفس ہی خود تیرا حساب لینے کے لئے کافی ہے، چنانچہ انسان کو ایک جیسا نفس عطا ہونے کے بارے میں آیت 39/6 یوں ہے کہ ''اس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے تخلیق کیا''۔ اس آیت کا لفظی مطلب اگر 10-91/7 کی آیات کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے تو یوں ہے کہ ''اس نے تمہیں ایک ہی طرح کے نفس سے درست تناسب وتوازن کے پیمانے کے مطابق وجود پذیر کیا پھر اس سے یعنی اس وجود سے جوڑا بنایا یا جوڑا چلایا۔ یعنی انسانی وجود میں یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ مرد اور عورت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے

جس سے ''مرداورعورت'' کا جوڑا معرض وجود میں آتا چلا جارہا ہے۔ البتہ بعض مفسرین نفسِ واحدہ کا مطلب ایک حیاتیاتی خلیہ، یا ایک حیاتیاتی جرثومہ کرتے ہیں جبکہ آیت میں خلیہ یا جرثومہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ بہرحال، یہ ہے وہ نفس جو انسان کو عطا کیا گیا اور یہ اس قدر قیمتی اور نازک ترین ومظبوط ترین شے یا حقیقت یا قوت انسان کو میسر آئی ہے کہ ساری کائنات میں اس کا کوئی بدل نہیں۔ اس کی تربیت یا تشکیل کے لئے دنیاوی مثال یوں بھی ہوسکتی ہے جیسے کسی کو سونا میسر آئے تو یہ سونا، سکے، زیور، اوزار، زنجیر یعنی اچھی یا بُری بات کے لئے ڈھالا جاسکتا ہے۔ اسی لئے آیات 9-91/7 یوں ہیں کہ ''اور نفس کی قسم اور اسے ہر لحاظ سے حسن وتوازن ودرستگی دینے والے کی قسم اور پھر اس (نفس کو) اللہ کی راہ سے ہٹ کر منتشر ہونا اور اللہ کی راہ پر چل کر انتشار سے محفوظ رہنے کے متعلق سمجھا دیا اور پھر جو (نفس کی) ہر لحاظ سے نشوونما کرتا چلا گیا تو اس میں کوئی شک وشبے والی بات ہی نہیں کہ وہ بامراد ہوکر کامیاب ہوگیا۔ اس کے برعکس 91/10 کے مطابق یوں ہے کہ ''جس نے نفس کو خاک میں ملادیا یعنی اس کی ذلت ورسوائی اور گناہوں سے بھر کر برباد کردیا تو وہ ناکام ونامراد ہوگیا۔ اسی وجہ سے ظاہری اور باطنی انسان کو مجموعی طور پر قرآن نے بعض مقامات پر صرف نفس کہہ کر پکارا ہے، جیسے یہ کہ ''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے'' یعنی ہر انسان کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ لیکن موت کے وقت انسان سے نفس لے لیا جاتا ہے، 39/42۔ لہٰذا نفس کی تشکیل وتربیت ونشوونما کے مطابق اچھائی یا برائی کے لحاظ سے نفس کو قرآن نے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے: نفسِ امارہ، 12/53 یعنی وہ نفس جس کی تربیت ونشوونما اس طرح کردی جائے کہ وہ بُرائی کا حکم دینے لگ جائے۔ نفسِ لوامہ 75/2 یعنی وہ نفس جس کی تربیت ونشوونما اس طرح کردی جائے کہ وہ برائیوں پر ملامت کرنے لگ جائے۔ اور نفسِ مطمعنہ 89/27 یعنی وہ نفس جس کی نشوونما اس مقام تک کردی جائے جہاں عطا شدہ روح یعنی اللہ کی صفات کے عکس کا اظہار ہونے کی بناء پر وہ بے خوف، پُرامن، پُرمسرت ومطمئن ہوجائے اور ایسا ہی رہنے کا حکم وہ کرتا ہے۔ اسی لئے آیت 75/14 میں ہے کہ ''انسان خود اپنے نفس پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

انسانی بدن، جسم یا انسانی صورت کیا ہے: انسان کو جو جسم یا انسانی ساخت عطا کی گئی ہے وہ بظاہر جانوروں کے اعضاء سے ملتی جلتی ہے مگر آیت 15/29 کے مطابق یوں ہے کہ ''انسانی ساخت کو حسن وتوازن ودرستگی عطا کرنے کے لئے لفظ ''سوية'' استعمال ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ساخت کو ایسا بنایا گیا ہے جو روح، نفخت اور نفس جیسے حقائق ومخلوقات کے طاری ہونے کے لئے بہترین ہو۔ البتہ انسانوں میں فرق یا تو صلاحیتوں میں کمی بیشی سے ہے یا ان کے استعمال میں کمی بیشی سے ہے۔ بہرحال، یہ ہے روح، نفس اور انسانی ساخت جو انسان کو عطا ہوئے ہیں۔ لہٰذا، اس تمام تجزیے کے پیشِ نظر آیت 32/13 انسان کے لئے بہت غور طلب ہے کہ! ''اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے'' یعنی نفس کو ہدایت دینا اللہ نے انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اور عورت قرآن کی آیات 33/35 اور 3/195 کے مطابق روح، نفخت، نفس، زندگی و موت اور آخرت کی جوابدہی کے لحاظ سے برابر ہیں فرق صرف جسمانی ساخت سے ذمہ داریوں اور حقوق وفرائض کا ہے۔ لہٰذا، آیت 45/15 کے مطابق اصل بات یہ ہے کہ! مرد ہو یا عورت جس کسی نے سنور نے سنوارنے کا کام کیا تو وہ اس نے اپنے ہی نفس کے لئے کیا اور جس نے کوئی بھی بُرائی کا کام کیا تو وہ اس نے اپنے ہی نفس کے خلاف کیا۔ چنانچہ 62/2 کے مطابق یوں

ہے کہ! زندگی اور موت اس لئے بنائے تا کہ اس میں آزمایا جاسکے کہ حسین عمل کون کرتا ہے۔ بہرحال، مذکورہ بالا تمام تجزیہ صرف انسانی عقل کی قرآن کے حوالے سے انسان کو سمجھنے کے لئے ایک کاوش ہے جبکہ وحی کی آگاہی بلند ہے جو مزید تحقیق کا تقاضا کرتی ہے)۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

30- چنانچہ تمام کے تمام فرشتوں نے اس کی یعنی انسان کی فرماں برداری اختیار کرلی۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

31- لیکن ابلیس نے اس کی یعنی انسان کی فرماں برداری اختیار کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾

32- اللہ نے ابلیس سے پوچھا! کہ یہ تمہیں کیا ہوا کہ اس کی فرماں برداری کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

33- اس نے جواب دیا! کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں بشر کی فرماں برداری اختیار کروں جسے تو نے مٹی اور پانی کے یک جان ہوئے سوکھے مادے سے طریقہ و دستور کے مطابق تخلیق کیا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

34- اللہ کا حکم ہوا! کہ کوئی شک وشبہ نہ رکھنا کہ تمہیں رد کر دیا گیا ہے اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾

35- اور اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہ رکھنا کہ تم پر لعنت کر دی گئی ہے (یعنی تم اللہ کی ناراضگی کی بناء پر اللہ کی محبت سے دُور کر دیے گئے ہو اور اس وجہ سے تم ان خوشگواریوں اور سرفرازیوں سے محروم کر دیے گئے ہو جو اللہ کی محبت سے دُور نہ ہونے کی وجہ سے تمہیں میسر آسکتی تھیں)۔ اور یہ اس دن تک ہے جب اللہ کا ضابطۂ آئین نافذ ہوگا اور اس کے مطابق جزا وسزا کے فیصلے ہوں گے (یعنی جب آخرت میں اعمال کی جوابدہی ہوگی، ابلیس پر اس وقت تک لعنت کر دی گئی ہے)۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

36- اس نے عرض کیا! کہ اے میرے نشوونما دینے والے (اگر تُو نے مجھے اپنی محبت سے دور کر ہی دیا ہے تو) پھر مجھے اُس دن تک مہلت دے (جب سب) اٹھائے جائیں گے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾

37-اللہ کا ارشاد ہوا! کہ اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہ رکھنا کہ تم ان میں سے ہو جنہیں مہلت دے دی جاتی ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

38-(اور تمہیں جو مہلت دی گئی ہے تو یہ ایک) ایسے دن تک ہوگی جس کا وقت مقرر کیا جاچکا ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾

39-ابلیس نے عرض کیا! کہ اے پروردگار! میرے اس عمل کے نتیجے میں جو تو نے مجھے (اپنی محبت سے محروم کر کے) تباہ و برباد کر دیا ہے تو میں بھی ایسا ضرور کروں گا کہ زمین میں ایسی خوشنمائیاں لاؤں گا کہ جن پر عمل کرنے کے نتیجے میں یہ سب (تیری محبت سے محروم ہو کر) تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

(نوٹ: اغویتنی، اس لفظ کا مادہ (غ۔و۔ی) ہے عام طور پر اس کا مطلب گمراہ کرنا، بھٹک جانا، دھوکہ کھانا، لیا جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی مستند طور پر لیا جاتا ہے کہ "کسی عمل کے نتیجے میں تباہ و برباد کر دینا" اسی کو اس آیت کے ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے)۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

40-البتہ ان میں سے سوائے وہ لوگ جنہوں نے خالصتاً تیری پرستش واطاعت اختیار کر رکھی ہوگی (تو ان پر میرا زور نہیں چلے گا)۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

41-اللہ کا ارشاد ہوا! کہ (ہاں، خالصتاً میری پرستش واطاعت کا ہی وہ) متوازن راستہ ہے جو درست طور پر مجھ تک آتا ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾

42-(لہٰذا) یہ حقیقت ہے کہ (خالصتاً) میری پرستش واطاعت کرنے والوں پر تمہارا کوئی زور نہیں چلے گا (البتہ اس سلسلے میں تمہارا زور) صرف ان پر ہوگا جو بھٹک گئے ہوں گے اور انہوں نے تمہاری پیروی اختیار کر رکھی ہوگی۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾

43- مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسے سب لوگوں کے لئے جہنم کا وعدہ کر لیا گیا ہے۔

ع 3 19 3 لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع

44-(اور یہ جہنم تو ان سب کے لئے ایک جیسی ہوگی) مگر اس تک (پہنچنے) کے راستے سات ہیں یعنی کئی راستے ہیں۔ اور تمام راستوں میں سے ہر گروہ کا الگ راستہ ہوگا (جہاں سے وہ تباہی کے جہنم میں داخل ہوگا)۔

(**نوٹ**: بعض مفسرین کے مطابق جہنم کے سات دروازوں یا راستوں سے مراد سات بڑی برائیاں ہیں۔ ہر برُائی جہنم کا دروازہ کھولتی ہے۔ بعض سات سے مراد متعدد لیتے ہیں تو اس کے مطابق ہر برُائی جہنم کے راستے کو جاتی ہے)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ؕ۝۴۵

45-(ان کے برعکس) اس میں بھی کوئی شک وشبے والی بات نہیں کہ وہ لوگ جو تباہ کن نتائج سے بچنے کے لئے اللہ کے احکام وقوانین سے چمٹے رہے ہوں گے تو وہ ایسی جنتوں میں رہیں گے (جہاں حسین) چشمے ہوں گے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝۴۶

46-(اور ان سے کہا جائے گا کہ تم ان جنتوں) میں داخل ہو جاؤ اور یہاں تمہارے لئے کوئی خوف نہیں اور کوئی مصیبت نہیں اور امن واطمینان ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۷

47-اور (ان جنتوں میں جانے والے افراد کی ایک دوسرے کے لئے جس قدر بھی) سینوں میں کدورت ہوگی وہ ہم ساری باہر کھینچ لیں گے اور وہ بھائیوں کی طرح (دل کھول کر) ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر بیٹھیں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝۴۸

48-انہیں وہاں نہ کوئی مصیبت چھو سکے گی اور نہ وہاں سے وہ نکالے جائیں گے۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ۝۴۹

49-(لہٰذا، اے رسولؐ) میری پرستش واطاعت کرنے والوں کو بتلا دو! کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہ کریں کہ میں ہی محفوظ کر لینے والا ہوں اور سنورنے والوں کی قدم بہ قدم مدد ورہنمائی کرتے ہوئے انہیں ان کے کمال تک لے جانے والا ہوں۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝۵۰

50-اور (اے رسولؐ! اس حقیقت سے بھی آگاہ کردو) کہ میرا عذاب وہ ہے جو الم انگیز عذاب ہے۔

وقف لازم

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ۝۵۱

51-اور (الم انگیز عذاب کس طرح آتا ہے اس کے لئے انہیں مثال کے طور پر قومِ لُوطؑ کی تباہی کے بارے میں بتاؤ اور

اس کی ابتداء جس طرح ہوئی اس کے لئے) انہیں ابراہیم کے ہاں آنے والے مہمانوں کی بات سناؤ۔

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾

52-جب وہ (مہمان) ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا! ہم تمہاری سلامتی چاہنے والے ہیں۔ ابراہیم نے جواب دیا! کہ (تم اجنبی لوگ ہو اس لئے) مجھے تم سے کچھ اندیشہ ہے۔

قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۵۳﴾

53-انہوں نے کہا! آپ کے لئے اندیشے وخطرے کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آپ کو ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جو صاحبِ علم ہوگا۔

قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِىۡ عَلٰٓى اَنۡ مَّسَّنِىَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

54-ابراہیم نے کہا! تم مجھے بیٹے کی خوشخبری دیتے ہو حالانکہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ (مگر تم مجھے یہ) خوشخبری کس بات کی (بنیاد) پر دیتے ہو۔

قَالُوۡا بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ ﴿۵۵﴾

55-انہوں نے کہا! ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری دیتے ہیں۔ لیکن آپ ان میں سے نہ ہو جائیں جو مایوس ہو جاتے ہیں۔

قَالَ وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾

56-ابراہیم نے کہا! اپنے رب کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے اور کون مایوس ہو سکتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۷﴾

57-(بہرحال، ابراہیمؑ نے) کہا! کہ (یہ بتاؤ کہ تم جو) بھیجے ہوئے آئے ہو تو وہ کون سی مہم ہے (جس کے لئے تم مامور ہو)۔

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ۙ ﴿۵۸﴾

58-انہوں نے کہا! کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک مجرموں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ ﴿۵۹﴾

59-(اور یہ مجرموں کی قوم لوطؑ کی ہے جو ساری کی ساری تباہ کردی جائے گی) سوائے ان لوگوں کے جو لوط کے پیروکار ہیں اور ہم انہیں یقیناً بچالیں گے۔

اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ ع 4 16 4

60- حتیٰ کہ (لوُطؑ کے اپنے گھرانے کے لوگوں میں سے) اس کی بیوی (بھی تباہ ہو جائے گی کیونکہ اس کے متعلق) ہمارا اندازہ یہی ہے (کہ وہ لوُطؑ کے ساتھ نہیں جائے گی) اور یقیناً وہ (مجرموں کے ساتھ) پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ اۨلۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾

61- بہرحال، جب وہ بھیجے ہوئے لوُط اور اس کے پیروکاروں کے پاس آئے۔

قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾

62- (تو لوُطؑ نے ان سے) کہا! کہ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ ناآشنا سے لگتے ہو۔

قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾

63- انہوں نے کہا! (یہ ٹھیک ہے کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں) لیکن ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ شک کرتے رہتے ہیں (اور تمہیں کہتے رہتے ہیں کہ وہ عذاب کب آئے گا جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو)۔

وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾

64- (چنانچہ ہم اس تباہی کو) ایک ٹھوس حقیقت بنا کر (ان کے سامنے لانے کے لئے آئے ہیں۔ اور) ہم بالکل سچ کہتے ہیں (کیونکہ ایسا ہو کر رہے گا)۔

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾

65- لہٰذا، جو لوگ تمہارا ساتھ دینے والے ہیں انہیں لے کر کچھ رات گئے یہاں سے نکل جاؤ۔ (آگے آگے انہیں جانے دو) اور ان کے پیچھے پیچھے تم خود چلو (کیونکہ خطرہ کے وقت رہنما کو سب کے بعد جانا چاہیے اور یہاں سے یوں نکل جاؤ کہ پھر) تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے اور چلے جاؤ جیسے کہ تمہیں حکم دے دیا گیا ہے۔

وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۶۶﴾

66- اور ہم نے (اس طرح لوُطؑ کو اپنے) فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی اس قوم کی جڑ کٹ جائے گی۔

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾

67- اور (اِدھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اُدھر جب) بستی کے لوگوں کو (اُن نئے آنے والوں کی اطلاع ملی) تو وہ خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ۙ‏ ﴿۶۸﴾

68-(لوطؑ نے ان سے) کہا! کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں۔لہٰذا، (تم ان سے کوئی نازیبا حرکت کر کے) مجھے رسوا نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ‏ ﴿۶۹﴾

69-اور تباہ کن نتائج سے بچنے کے لئے اللہ کے احکام پر چلو اور میرے لئے ذلت کا سبب نہ بنو۔

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَـنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ‏ ﴿۷۰﴾

70-انہوں نے (لوطؑ سے) کہا! کہ کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ تم سارے جہان (کے خیر خواہ مت بنو۔اور اب اگر تم وہی کچھ کرو گے جس سے ہم تمہیں منع کرتے ہیں تو پھر اس کا خمیازہ بھی بھگتو)۔

قَالَ هٰٓؤُلَاۤءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَؕ‏ ﴿۷۱﴾

71-(اس پر لوطؑ نے ان سے) کہا! کہ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنی ناجائز حرکتوں کے غلام بن کر انسانوں کو ذلیل کرتے پھرو۔اس لئے یہ تمہاری عورتیں جو ایک طرح سے) میری بیٹیاں ہیں تو اگر تم نے کچھ کرنا ہے (تو ان سے نکاح کرلو)۔

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ‏ ﴿۷۲﴾

72-(اس مقام پر ان اجنبی مہمانوں نے لوطؑ سے کہا! کہ) تمہاری زندگی کی قسم (یہ لوگ تمہاری ایک نہیں سنیں گے اور کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ) یہ لوگ واقعی اپنی بدمستیوں میں کس طرح مدہوش ہوئے جاتے ہیں۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَۙ‏ ﴿۷۳﴾

73-(قصہ مختصر) پھر ان لوگوں کو سورج نکلتے ہی ایک ہولناک آواز نے اپنی گرفت میں لے لیا۔

فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍؕ‏ ﴿۷۴﴾

74-اور ہم نے ان پر پکی ہوئی مٹی کے کھنگروں کی ایسی بارش کی کہ ساری بستی کو ہم نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ‏ ﴿۷۵﴾

75-(لہٰذا، اے نوع انسان اس واقعہ) میں کوئی شک و شبہ نہ رکھنا اور وہ لوگ جو فہم و فراست والے ہیں تو ان کے لئے (اس میں سبق سیکھنے کے لئے بہت سے) حقائق ہیں۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾

76-اور تحقیق کرنے والے جانتے ہیں کہ (قومِ لوط کی بستی کسی ایسے مقام پر نہیں تھی کہ جہاں کسی کو اس کا علم نہ ہو، بلکہ) وہ اس راستہ پر واقع تھی (جہاں آمد ورفت کا سلسلہ) قائم ہے۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۷﴾

77-(اور) تحقیق کرنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ جو اہلِ ایمان ہیں یعنی جو نازل کردہ سچائیوں اور احکام وقوانین کو تسلیم کر کے مطمئن اور بے خوف ہو جاتے ہیں تو (ان کے لئے اس میں) ایسے حقائق ہیں (جن کی وجہ سے وہ اللہ کے احکام و قوانین کی خلاف ورزیوں سے آگاہ رہتے ہیں)۔

وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿۷۸﴾

78-اور (اے رسولؐ! اب انہیں ایک اور قوم کی تباہی سے آگاہ کرو جو اس طرح ہے جس میں) کوئی شک وشبہ نہ کرنا کہ ایکہ کے باشندے طے شدہ حقوق کو کم کر کے یا ان سے انکار کر کے زیادتی و بے انصافی کرنے کے مجرم تھے۔

(**نوٹ**: اصحبِ الایکہ یعنی ایکہ کے باشندے۔ لفظ ایکہ کے معنی ہیں "گھنا جنگل"۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بستی بھی مدین کے قریب ہی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تبوک کا پہلا نام ایکہ ہی تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مدین اور ایکہ کی بستیاں ایک دوسرے کے قریب تھیں اور شعیبؑ دونوں قوموں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، لہٰذا ایکہ والوں کا بھی وہی زمانہ ہے اور ایکہ والے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور اللہ کے نافرمان ہو چکے تھے)۔

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ‌ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۹﴾

وقف لازم

79-چنانچہ ہم نے ان سے (ان کے ظلم) کا انتقام لے لیا۔ اور تحقیق کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ دونوں بستیاں (یعنی قومِ لوط کی بستی اور ایکہ والوں کی بستی) عام شاہراہ پر واقع ہیں۔

ع 5 19 5

وَلَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۸۰﴾

80-اور تحقیق کرنے والے جانتے ہیں کہ حجر کے باشندوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا (اور وہ اللہ کے نافرمان ہو چکے تھے)۔

(**نوٹ**: کہا جاتا ہے کہ حجر قومِ ثمود کا مرکزی شہر تھا اور یہ وادیٔ القرے سے پیدل چلنے والوں کے لئے تقریباً ایک دن کے فاصلے پر تھا۔ اب یہ شہر ناپید ہو چکا ہے۔ اس کے مغرب میں ایک پہاڑ اثالث کے نام سے مشہور ہے۔ اسی میں وہ غار بھی ہے جہاں سے صالحؑ کی اونٹنی نکلی تھی اور جسے اہلِ حجر نے یعنی ثمود والوں نے مار ڈالا تھا۔ حجر کے ناپید ہونے کے بعد اس کے قریب مدائن صالح کے نام سے ایک شہر آباد ہے۔ بعض محققین کا کہنا ہے! کہ یہ قومِ ثمود نہیں تھی بلکہ حجر والے علیحدہ قوم تھے۔ اور یہ اسماعیلؑ

کے بڑے بیٹے نبایط کا خاندان تھا جو بعد میں قومِ نبط کہلایا اور ان کی حکومت کے شام و عرب کی حدود پر آثار ملتے ہیں)۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾

81- حالانکہ ہم نے انہیں واضع احکام وقوانین عطا کیے تھے مگر پھر بھی انہوں نے ان سے منہ موڑے رکھا۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾

82- اور (وہ بڑی طاقتور قوم تھی) وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بناتے تھے تا کہ (ان قلعہ نما گھروں میں) بے خوف وخطر محفوظ ہو کر رہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾

83- (لیکن ان کے یہ مضبوط قلعے بھی انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے) اور انہیں صبح ہوتے ہی سخت ہولناک آواز نے آ دبوچا۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾

84- پھر جو کچھ انہوں نے اپنی کوششوں سے اپنے لئے بنا رکھا تھا وہ ان کے کسی کام نہ آیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾

85- اور (گزری قوموں کی تباہیوں سے سبق سیکھو اور غور کرو کہ) ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں یونہی بغیر کسی حقیقی مقصد کے تخلیق نہیں کیا۔ (ان کے مقاصد اور حقائق سے سبق آموز آگاہی حاصل کرو) کیونکہ اس میں کوئی شک وشبے والی بات ہی نہیں کہ وہ ساعت ضرور آ کر رہے گی (جسے قیامت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا، اے رسولؐ) تم ان سے الجھو نہیں اور درگذر کرتے ہوئے (نازل کردہ حقیقتوں کا پیغام دیتے رہو) اور نہایت حسین (طریقے سے اپنا کام جاری رکھو)۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾

86- اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تمہارا پروردگار ہی ہے جو (سب کچھ) تخلیق کرنے والا ہے کیونکہ وہ لامحدود علم کا مالک ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾

87- اور تم تحقیق کر کے دیکھ لو تو اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ ہم نے تمہیں متعدد (ایسے واقعات، حقائق، صداقتیں اور احکام و قوانین) عطا کیے ہیں جو یکے بعد دیگرے بار بار اپنے آپ کو دہراتے اور اپنے متضاد کو آمنے سامنے لا کر حقیقت کو واضع کرنے والے ہیں۔ اور (وہ یہ مجسم صورت میں) قرآنِ عظیم ہے۔

(نوٹ: اگراس آیت کا عمومی مطلب جو بعض مفسرین اختیار کرتے ہیں، کیا جائے تو وہ یوں بنتا ہے۔ ''اور بے شک ہم نے تمہیں سات بار دہرائے جانے والے اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے'' مگر یہ ترجمہ سوائے قرآنِ عظیم کے کچھ بھی واضع نہیں کرتا کیونکہ اس آیت میں ''سبعاً اور المثانی'' جیسے الفاظ بہت تحقیق طلب ہیں۔ سبعاً کا مادہ (س۔ب۔ع) ہے سبع سات کے عدد کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ سبعة سے نکلا ہے جس کے معنی شیرنی کے ہیں۔ قرآن میں سورۃ مائدہ آیت 3 یعنی 5/3 میں ''السبع'' درندے کو کہا گیا ہے۔ عربوں میں اسی وجہ سے سات کے عدد کو مکمل عدد سمجھا جاتا تھا کیونکہ شیرنی یا درندے کی قوت مکمل ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قرآن کی لغات کے بعض محققین نے لکھا ہے کہ عرب سات کے ہندسے کو محاورے کے طور پر استعمال کرتے تھے جس کا مطلب کئی بار یا متعدد بار لیا جاتا تھا۔ چنانچہ عربوں کے فہم کے مطابق قرآن میں 'سات کا عدد' استعمال ہوا ہے۔ ایسے ہی ستر یا سات سو بار استعمال ہوتا تھا جیسے اردو زبان میں کہا جاتا ہے کہ تمہیں سو بار سمجھایا یعنی کئی بار سمجھایا مگر تم پھر بھی نہیں سمجھے۔ سو بار سمجھایا یعنی کئی بار سمجھایا یا جیسے کہا جاتا ہے کہ ''سات سمندر پار'' وغیرہ۔ بہرحال، سیاق وسباق کے مطابق قرآن میں عدد یا اعداد کا مطلب یہ دیکھ کر لیا جانا چاہیے کہ واقعی اس ہندسے کا مطلب متعدد بار ہے یا عین عدد کے مطابق ہے۔ اس آیت میں دوسرا لفظ المثانی ہے۔ اس کا مادہ (ث۔ن۔ی) ہے۔ اس کا بنیادی مطلب ہے کسی چیز کو دہرانا یا تہہ کرنا۔ قرآن میں 11/5 یثنون کا مطلب منافقین کے حوالے سے یہی لیا گیا ہے کہ وہ اپنے سینے کو دہرا کیے ہوئے ہیں۔ عربوں میں المثانی من الدابة کا مطلب لیا جاتا ہے کہ ''چوپایہ کے گھٹنے اور کہنیاں جو موڑ کر دوہری ہو جاتی ہیں'' اور یہ دہرا ہونا وہ ہے جو تہہ ہونا ہے یعنی موڑ کر یا دہرا کر کے ایک کو دوسرے کے سامنے لے آنا۔ یعنی قرآن کا ایک طریقہ ہے کہ متضاد حقائق کو آمنے سامنے بار بار لاتا ہے جیسے نور و ظلمت۔ رات اور دن۔ کفر اور ایمان اور قرآن یہ طریقہ اس لئے استعمال کرتا ہے تاکہ حقائق واضع ہو جائیں چنانچہ اس آیت میں المثانی کا مطلب قرآن کے سیاق وسباق کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے)۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾

88-(لہٰذا، تباہ شدہ قوموں کی تباہی اور قرآن کی آگاہی عطا ہو جانے کے بعد، اے اہلِ ایمان) تم اس ساز وسامان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے (اللہ کی دی گئی آگاہی کے خلاف چلنے والوں) میں سے مختلف طبقات کو دے رکھا ہے (تاکہ وہ آزمائے جائیں کہ کیا وہ ان فراوانیوں کے باوجود اللہ کی طرف لوٹتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے اے رسولؐ! اپنے آپ کو) ان کے غم میں مبتلا نہ کرو (کہ یہ تباہیوں سے بچنے کے لئے صحیح راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے۔ لہٰذا، اب تم) ان لوگوں کو جو ایمان لاتے جاتے ہیں انہیں اپنے بازوؤں کے نیچے سمیٹتے جاؤ (اور ان کی نازل کردہ احکام کے مطابق تربیت کرتے جاؤ)۔

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾

89-اور (فریقِ مخالف سے) کہتے رہو! کہ کوئی شک وشبہ نہ رکھو کہ میں تمہیں تمہاری غلط روش کے تباہ کن نتائج سے کھلے

طور پر آگاہ کر رہا ہوں۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾

90-(اور ان کو بتاؤ! کہ بچو اس عذاب سے) جو ہم نے (اللہ کے دین کو مختلف فرقوں) میں تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا۔

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿٩١﴾

91-(اور یہ بھی اعلان کر دو! کہ) جن لوگوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے (یعنی کچھ کو مانا اور کچھ کو نہ مانا)،

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾

92-تو تمہارے پروردگار کی قسم! (یعنی اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے کہ) ان سب سے (ان کے اس طرح کے رویوں) کی باز پرس ضرور ہوگی۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

93-(اور اس سلسلے میں) وہ جو کچھ بھی کرتے رہے تو اس کے بارے میں (انہیں جوابدہی کا سامنا کرنا پڑے گا)۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾

94-لہٰذا، (اے رسولؐ) جن باتوں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ ان سے صاف صاف کہہ دو۔ اور جو لوگ مُشرک ہیں تو ان سے منہ پھیرے رکھو۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾

95-اور اس میں کوئی شک وشبے والی بات ہی نہیں کہ جو لوگ تمسخر اڑانے والے ہیں (تو انہیں سزا دینے) کے لئے ہم ہی آپ کی طرف سے کافی ہیں۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾

96-اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرے ایسے خدا بناتے ہیں جن کی وہ پرستش واطاعت کرتے ہیں تو انہیں بہت جلد (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾

97-اور حقیقتاً ہمیں علم ہے کہ (قرآن کی آگاہی کے خلاف جو یہ مخالفین) کہتے رہتے ہیں تو اس سے تمہارے احساسات کو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۙ﴿۹۸﴾

98-(لیکن تم ان باتوں کی پروانہ کرو کیونکہ یہ تو چاہتے ہیں کہ تمہیں اُلجھا کر تمہاری جدوجہد کا رخ بدل دیں)۔لہٰذا،تم اپنے پروردگار کی تحسین وستائش کرتے ہوئے اپنی جدوجہد تیز کر دو (فسبح) اور جو اللہ کے احکام وقوانین کی مکمل فرماں برداری کرنے والے ہیں ان میں شامل رہو(السّٰجدین)۔

ع 6 20 6 وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾

99-اوراپنے رب کی ہی پرستش واطاعت کرتے رہوحتیٰ کہ وہ یقینی بات تمہارے سامنے آ جائے!(جس کے مطابق باطل مٹ جائے گا اور نازل کردہ حقائق یعنی قرآن نافذ ہو جائے گا،61/8-9)۔